فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۵۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا عذر کی بنا پر جنبی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں۔

❀ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلٰى عَشْرِ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهٗ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ.

”(تیمّم کی) پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے، اگر چہ وہ دس سال تک (تیمّم) کرتا رہے، پھر جب آپ کو پانی ملے، تو اس سے وضو یا غسل کریں، یہ بہتر ہے۔“

(سنن أبي داود: 332، سنن الترمذي: 124، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن، صحیح“، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۹۲)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۳۱۱) اور امام حاکم رحمہ اللہ (۶۲۷) ”صحیح“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ: أَنَّ الْجُنُبَ، وَالْحَائِضَ إِذَا لَمْ يَجِدَا الْمَاءَ تَيَمَّمَا وَصَلَّيَا.

”اکثر فقہا کا قول ہے کہ جنبی اور حائضہ اگر پانی نہ پائیں، تو تیمّم کر کے نماز

پڑھیں گے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 124)

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ بِالْأَمْصَارِ بِالْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فِيمَا عَلِمْتُ، أَنَّ التَّيَمُّمَ بِالصَّعِيدِ عِنْدَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهُورُ كُلِّ مُسْلِمٍ مَرِيضٍ أَوْ مُسَافِرٍ وَسَوَاءٌ كَانَ جُنُبًا أَوْ عَلٰى غَيْرِ وُضُوءٍ وَّلَا يَخْتَلِفُونَ فِي ذٰلِكَ .

''میرے علم کے مطابق مشرق ومغرب کے علما کا اجماع ہے کہ پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے، یہ حکم ہر مسلمان، مریض اور مسافر کے لیے ہے، خواہ وہ جنبی ہو یا بے وضو۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔''

(الاستذکار :303/1)

❁ امام قوام السنہ اصبہانی رحمہ اللہ (۵۳۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلٰى جَوَازِ التَّيَمُّمِ لِلْجُنُبِ .

''(عذر کی صورت میں) جنبی کے لیے تیمّم کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 345/2)

سوال: صرف پینے کے لیے پانی ہو، تو کیا تیمّم کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، کر سکتا ہے۔

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ كُلُّ مَنْ أَحْفَظُ عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الْمُسَافِرَ إِذَا خَشِيَ عَلٰى نَفْسِهِ الْعَطَشَ وَمَعَهٗ مِقْدَارُ مَا يَتَطَهَّرُ بِهٖ مِنَ الْمَاءِ أَنَّهٗ يُبْقِي مَاءَهٗ لِلشُّرْبِ وَيَتَيَمَّمُ .

''جن اہل علم سے ہم نے نقل کیا ہے، ان کا اجماع ہے کہ اگر مسافر کے پاس صرف وضو کے لیے پانی ہو اور اسے پیاس کا خدشہ ہو، تو وہ پانی کو پینے کے لیے رکھ لے اور (نماز کے لیے) تیمّم کر لے۔''

(الأوسط: 28/2)

❀ امام قوام السنہ اصبہانی رحمہ اللہ (۵۳۵ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ أَنَّ الْمُسَافِرَ إِذَا كَانَ مَعَهٗ مَاءٌ وَخَافَ الْعَطَشَ، أَنَّهٗ يُبْقِي مَاءَهٗ لِلشُّرْبِ، وَيَتَيَمَّمُ .

''فقہا کا اجماع ہے کہ اگر مسافر کے پاس (وضو برابر) پانی ہو اور اسے پیاس کا اندیشہ ہو، تو وہ پانی کو پینے کے لیے رکھ لے اور (نماز کے لیے) تیمّم کر لے۔''

(شرح صحیح البخاري: 344/2)

سوال: رضاعت کبیر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اسلام عقل اور منطق کا مخالف ہرگز نہیں ہے، لیکن صرف اپنی خواہشات اور تعصّبات کو عقل کا نام دے کر اسلام کو اس سے ٹکرا دیجئے تو نتائج برے ہی آتے ہیں، کوئی خاتون دو سال سے بڑے لڑکے یا جوان مرد کو دودھ نہیں پلا سکتی، یہ اسلام کا قاعدہ، قانون اور ضابطہ ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اتھارٹی دے رکھی ہے کہ آپ اسلام کے کسی

قاعدے سے اللہ کے اذن سے کسی شخص کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عجیب طرح کا کیس سامنے آیا، یہ سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، ہوا کچھ یوں کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، آپ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے اور ان کے بیٹے شمار کیے جاتے تھے۔

پھر اللہ کا حکم آ گیا کہ متبنی کو اس کے اصل باپ کی طرف ہی منسوب کریں:

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾(الأحزاب: 5)

”لے پالک بیٹوں کو ان کے والد کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف والی بات ہے۔“

حکم مان لیا گیا، لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اس حکم کے بعد لازمی طور پر سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کو سالم سے پردہ کرنا تھا، تو جس کو بیٹا بنا کر پالا ہو، اس سے پردہ کرنا اور یک لخت اس سے جدا ہو جانا، سہلہ رضی اللہ عنہا پر گراں گزرا، ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی بہت پریشان ہوئے۔

تب سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس چلی آئیں، عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ معاملہ درپیش ہے، فرمایا:

أَرْضِعِيهِ، قَالَتْ: وَكَيْفَ أُرْضِعُهُ؟ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ.

”آپ اسے دودھ پلا دیں، کہنے لگیں: دودھ کیسے پلا دوں، وہ تو بڑے ہو گئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ مسکرائے، فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو چکے ہیں۔“

(صحیح مسلم: 1453، المُنتقٰی لابن الجارود: 690)

اسلامی احکام کی رو سے، یہ حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے، اس میں دو رائے نہیں، کیونکہ عمومی قاعدہ دودھ نہ پلانے کا سہی، لیکن کسی ایک شخص کو استثنا دے دینا رسول اللہ ﷺ کا اختیار ہے، سو آپ نے اپنا اختیار استعمال کیا اور یہ اللہ کی اجازت سے ہوا۔

قوام السنہ اصبہانی رحمہ اللہ (۵۳۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مَخْصُوصٌ، وَالدَّلِيلُ عَلٰى خُصُوصِهٖ إِجْمَاعُ الْعُلَمَاءِ أَنَّ رَضَاعَ الْكَبِيرِ لَا يُحَرِّمُ.

''سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث (سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ) خاص ہے، اس کے خاص ہونے کی دلیل علما کا اجماع ہے کہ رضاعت کبیر سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

(التّحرير في شرح مسلم، ص 287)

حدیث سہلہ رضی اللہ عنہا کی سند بھی صحیح ہے، بیان کرنے والے سچے ہیں، ائمہ ہیں، ان کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا، بلکہ بعد از تحقیق بسیار ان کو سچا پایا گیا، پھر قرآنی حکم کے مطابق ان کی دی ہوئی خبر کو قبول کر لیا گیا، یہ حدیث عقل اور منطق کے کسی ایک تقاضے کے مخالف نہیں، رسول اللہ ﷺ سے اس کا ثبوت قطعی ہے۔

لیکن ملحدین، منکرین حدیث اور عقل پرستوں نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث پر مختلف طریقوں سے اعتراضات وارد کر رکھے ہیں، ملحدین کو یہ چیز شرم وحیا کے منافی نظر آتی ہے، حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں، جن کے نزدیک سرے سے شادی کی ضرورت تک محسوس نہیں کی جاتی، مرد و زن کے ہمہ جہتی تعلقات ان کا من پسند موضوع ہیں، اس سلسلہ میں اسلام کو ہدف تنقید بھی بناتے رہتے ہیں، لیکن یہاں آن کر ان کو شرم وحیا یاد آ جاتی ہے!

اسی طرح جدید منکرین حدیث کا معاملہ ہے، جو کلی طور پر احادیث کے انکار کی جرأت نہیں پاتے، لیکن کچھ نہ کچھ احادیث کے مضمون کو سمجھے بغیر ان پر رد کرنا اپنا فرض منصبی سمجھ لیتے ہیں، وہ اسے اپنے ایمان کا تقاضہ بھی قرار دیتے ہیں، و لے حیرت، کہ ان کا ایمان پوری امت سے بڑھ گیا ہے؟ کیا یہ لوگ بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل کیسے ائمہ سنت سے زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، پوری امت نے قرن ہا قرن اس حدیث کو تلقی بالقبول سے نوازا ہے، فقہا نے اس حدیث پر اختلافات کی بنیاد رکھی ہے، استنباط و استدلالات کئے ہیں، لیکن کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ مذکورہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہو سکتی، یا عقل کے تقاضے اس سے ابا کرتے ہیں۔

وہ لوگ اصول تحقیق اور عقل و منطق سے اچھی طرح واقف تھے، وہ اسلام کے مزاج کو بھی سمجھتے تھے، اسی لئے ان کو اس حدیث میں قابل اعتراض چیز نظر نہیں آئی، وہ قبول کرتے آئے، محدثین، شارحین حدیث، فقہا، متکلمین اور خطبا اس پر اپنے استدلال کی بنیادیں رکھتے رہے۔

بجا کہ ایک خاتون ایک مرد کو دودھ نہیں پلا سکتی، لیکن کسی کا استثنا بھی تو ہو سکتا ہے، یہ ویسا ہی استثنا سمجھ لیجئے، جیسا استثنا عمومی حالات میں ہوتا ہے، ایک خاتون عام مردوں کے سامنے برہنہ نہیں ہو سکتی، لیکن اپنے خاوند کے ساتھ بعد از برہنگی معاملات بھی طے کرتی ہے، اس کو کوئی بھی بے حیائی اور بے شرمی نہیں کہتا، بلکہ اس کو ضروری امر قرار دیا جاتا ہے، جب ان معاملات میں ایک خاتون کے لئے ایک مرد کا استثنا ثابت ہو جانے سے وہ بے حیا نہیں ہو جاتے، تو ایک منہ بولے بیٹے کو بڑی عمر میں دودھ پلا دینے سے ایک ماں بے حیا کیوں کر ہو گئی؟ یا اس میں حیا کے منافی پہلو کون سے آ گئے؟

امت کے ایک خاص ماں بیٹے کا معاملہ تھا، سالم کو منہ بولے بیٹے سے رضاعی بیٹا بنانا تھا، اس کے لئے مذکورہ فعل سے بہتر کوئی راستہ موجود نہیں تھا، سو یہی راستہ اختیار کر لیا گیا۔

یہ ایک صحابی کے لئے رخصت ہے کہ اس کا پریشان رہنا اللہ کو منظور نہ تھا، وہ تو وہ لوگ تھے، اللہ پر قسم اٹھا لیتے تھے، تو اللہ ان کی قسموں کی لاج رکھ لیا کرتا تھا، ایک صحابی کی گواہی کو دو کے برابر قرار دے دیا جاتا تھا، ان کو اگر قربانی کا مطلوب جانور نہیں ملتا تھا، تو ان کو کھیرے جانور کی قربانی کی اجازت دے دی جاتی تھی، بعینہ یہ رخصت بھی دے دی گئی تھی۔

اب یہاں کوئی اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ سالم نے اس عورت کو چھوا بھی ہوگا، جبکہ چھونا حرام ہے، اس اعتراض کا جواب مگر صدیوں پہلے دیا جا چکا ہے۔

❀ شارح صحیح مسلم، حافظ نووی (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي : لَعَلَّهَا حَلَبَتْهُ ثُمَّ شَرِبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ ثَدْيَهَا وَلَا الْتَقَتْ بَشَرَتَاهُمَا وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ الْقَاضِي حَسَنٌ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ عُفِيَ عَنْ مَسِّهِ لِلْحَاجَةِ كَمَا خُصَّ بِالرَّضَاعَةِ مَعَ الْكِبَرِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: ممکن ہے کہ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو دودھ نکال کر دے دیا ہو اور انہوں نے پی لیا ہو، سینے کو نہ چھوا ہو، دونوں کے جسم آپس میں نہ ملے ہوں، قاضی رحمہ اللہ کی یہ بہت خوب صورت توجیہ ہے۔ یہاں ایک دوسری صورت بھی ممکن ہے، وہ یوں کہ جب ایک شخص کو خاص طور پر دودھ پینے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اسے چھونے میں بھی عام قاعدے سے استثنا مل سکتا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : 31/10)

آخر میں ہم اسی مسئلہ کے ایک اہم جزو کی طرف اشارہ کریں گے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور متاخرین میں سے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے رضاعت کبیر کو جائز قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو بنیاد بنایا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ بحالت مجبوری اس چیز کے جواز کے قائل تھے، یعنی یہ بزرگ اور خود ہماری ماں، اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتی تھیں، تب ہی تو اس سے استدلال بھی جائز سمجھتی تھیں، وگرنہ اس سے استدلال لینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ الگ بات کہ ان بزرگوں کا مذکورہ استدلال درست نہیں، کیونکہ خود دیگر ازواج مطہرات نے ماں جی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختلاف کیا تھا۔

❁ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَبٰی سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ : وَاللّٰهِ مَا نَرٰى هٰذَا إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً، فَمَا هُوَ بِدَاخِلٍ عَلَيْنَا أَحَدٌ بِهٰذِهِ الرَّضَاعَةِ، وَلَا رَائِينَا .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں نے اس سے انکار کیا کہ کوئی اس طرح رضاعت کا رشتہ ثابت کر لے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی تھیں کہ بخدا! یہ چیز ایک رخصت تھی، جو سیدنا سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی، اس قسم کی رضاعت کی بنا پر کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے اور نہ ہم کو دیکھے۔''

(صحیح مسلم : 1454)

اس پر بھی غور کیجئے کہ امہات المومنین نے بھی ہرگز اس روایت سے انکار نہیں کیا، بلکہ

انہوں نے بھی اس کو رخصت سے تعبیر کیا، لیکن آج کچھ بد بخت شاید امت کی ماؤں سے بھی زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، تف ہے ان کی اس سوچ پر!

سوال: کیا عید کی رات پیدا ہونے والے بچے پر صدقہ فطر ہے؟

جواب: عید کا چاند طلوع ہونے کے بعد پیدا ہونے والے بچے پر صدقہ فطر نہیں ہے، کیونکہ صدقہ فطر رمضان کی صدقہ ہے اور عید کا چاند طلوع ہوتے ہی رمضان کا اختتام ہو جاتا ہے اور شوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ دراصل صدقہ رمضان کی ادائیگی کے لیے یہ حکم ہے کہ یکم شوال کو عید کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کیا جائے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں صدقہ فطر فرض کیا ہے، جو ہر مسلمان آزاد، غلام، مرد، عورت پر کھجور یا جو کا ایک صاع ہے۔''

(صحيح البخاري : 1504، صحيح مسلم : 984)

سوال: درج ذیل حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

❁ سیدنا معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ : وَمِنَّا قَوْمٌ يَّخُطُّونَ، قَالَ : كَانَ نَبِيٌّ يَّخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ .

''میں نے عرض کیا: (اللہ کے رسول!) ہم میں سے کچھ لوگ خط (لکیریں) کھینچتے ہیں؟، فرمایا: ایک نبی خط کھینچا کرتے تھے، پس جس کا خط اُن کے موافق

ہو گیا، وہ تو درست ہے۔''

(صحيح مسلم : 537)

(جواب): لکیریں کھینچ کر کہانت لینا حرام ہے۔ متعدد احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ غیب اور مستقبل کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حدیث میں کسی نبی کے لکیریں کھینچنے کا ذکر کیا گیا ہے، بعید نہیں کہ وہ نبی وحی یا الہام کی روشنی میں لکیریں کھینچتے تھے، یا یہ ان کا معجزہ ہو سکتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے لکیریں کھینچنے کے جواز کو اس شرط سے معلق کیا کہ وہ اس نبی کی کھینچی گئی لکیروں کے موافق ہو۔ اب چونکہ نبی کی لکیروں کا کسی کو علم نہیں، لہٰذا اُن سے یقینی موافق بھی ممکن نہیں، یوں لکیریں کھینچ کر کہانت کرنے کے لیے اس حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ یہ کہانت کے عدم جواز کی دلیل ہے، کیونکہ کسی کے پاس یقینی علم نہیں کہ اس کی لکیریں اس نبی کی لکیروں کے موافق ہیں۔

(سوال): درج ذیل حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِينُهٗ مِنَ الْجِنِّ قَالُوا : وَإِيَّاكَ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ : وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ، فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ .

''ہر ایک کے ساتھ ایک جن (شیطان) مقرر کیا گیا ہے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: جی ہاں، میرے ساتھ بھی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی ہے، وہ مطیع ہو گیا ہے، اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم دیتا ہے۔''

(صحیح مسلم : 2814)

جواب: ہر انسان کے ساتھ مؤکل جن ہوتا ہے، جو اسے گناہ پر ابھارتا ہے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ جن مطیع ہو گیا تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی گناہ کی دعوت نہیں دیتا تھا، بلکہ خیر و بھلائی کا ہی کہتا تھا۔

اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جن مسلمان ہو گیا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں «فَأَسْلَمَ» (میم پر زبر) ہوگا۔

«فَأَسْلَمُ» (میم پر پیش) کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ کی مدد سے میں اس جن سے محفوظ ہو گیا ہوں۔

سوال: درج ذیل حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ.

”میرے دل پر ہلکی کی جھلی بن جاتی ہے اور میں (اسے زائل کرنے کے لیے) دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔“

(صحیح مسلم : 2702)

جواب: نبی کریم ﷺ استغفار کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہونے کے باوجود دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، کیونکہ اگر میں استغفار نہ کروں تو میرے بھی دل پر پردہ سا چھا جائے، تو جب میرے لیے استغفار ضروری ہے، تو اُمتیوں کے لیے بالاولیٰ ضروری ہے۔

❁ امام ابو عبید رحمہ اللہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

يَعْنِي أَنَّهُ يَتَغَشَّى الْقَلْبَ مَا يُلْبِسُهُ .

''اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دل پر ایسی چیزیں چھا جاتی ہیں، جو اسے ڈھانک لیتی ہیں۔''

(غريب الحديث : 137/1)

(سوال): اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

❀ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَةِ أَحَدِكُمْ .

''جس (معبود) کو آپ پکارتے ہیں، وہ آپ سے آپ کی سواری کی گردن سے زیادہ قریب ہے۔''

(صحيح البخاري : 2992، صحيح مسلم : 2704، واللّفظ لهٗ)

(جواب): اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی قربت سے مراد اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم جمیع مخلوقات کو محیط ہے۔ اسے علمی معیت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے، جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

مَعْنٰى قَوْلِهٖ : بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رُؤُوسِ رِحَالِكُمْ، إِنَّمَا يَعْنِي عِلْمَهٗ وَقُدْرَتَهٗ .

''اس فرمان نبوی کی مراد یہ ہے کہ اللہ کا علم اور قدرت تمہارے ساتھ ہے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 3374)

❀ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْهَمُونَ مِنْ هٰذِهِ النُّصُوصِ غَيْرَ الْمَعْنَى الصَّحِيحِ الْمُرَادِ بِهَا، يَسْتَفِيدُونَ بِذٰلِكَ مَعْرِفَةَ عَظْمَةِ اللّٰهِ وَجَلَالِهِ، وَإِطْلَاعِهِ عَلٰى عِبَادِهِ وَإِحَاطَتِهِ بِهِمْ، وَقُرْبِهِ مِنْ عَابِدِيهِ، وَإِجَابَتِهِ لَدُعَائِهِمْ، فَيَزْدَادُونَ بِهِ خَشْيَةً لِّلّٰهِ وَتَعْظِيمًا وَّإِجْلَالًا وَّمُهَابَّةً وَّمُرَاقَبَةً وَّاسْتِحْيَاءً، وَّيَعْبُدُونَهٗ كَأَنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ، ثُمَّ حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَنْ قَلَّ وَرْعُهٗ، وَسَاءَ فَهْمُهٗ وَقَصْدُهٗ، وَضَعُفَتْ عَظْمَةُ اللّٰهِ وَهَيْبَتُهٗ فِي صَدْرِهِ، وَأَرَادَ أَنْ يُّرِيَ النَّاسَ امْتِيَازَهٗ عَلَيْهِمْ بِدِقَّةِ الْفَهْمِ وَقُوَّةِ النَّظْرِ، فَزَعَمَ أَنَّ هٰذِهِ النُّصُوصَ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ بِذَاتِهِ فِي كُلِّ مَكَانٍ، كَمَا يُحْكٰى ذٰلِكَ عَنْ طَوَائِفَ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَمَنْ وَّافَقَهُمْ، تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا، وَهٰذَا شَيْءٌ مَّا خَطَرَ لِمَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَهٰؤُلَاءِ مِمَّنْ يَّتَّبِعُ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ، وَقَدْ حَذَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهٗ مِنْهُمْ فِي حَدِيثِ عَائِشَةَ الصَّحِيحِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ، وَتَعَلَّقُوا أَيْضًا بِمَا فَهِمُوهُ بِفَهْمِهِمُ الْقَاصِرِ مَعَ قَصْدِهِمُ الْفَاسِدِ بِآيَاتٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مِثْلَ قَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾(الحديد : ٤)،

وَقَوْلِهِ : ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوٰى ثَلاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾(المجادلة : ۷)، فَقَالَ مَنْ قَالَ مِنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ حِينَئِذٍ : إِنَّمَا أَرَادَ أَنَّهُ مَعَهُمْ بِعِلْمِهِ، وَقَصَدُوا بِذٰلِكَ إِبْطَالَ مَا قَالَهُ أُولٰئِكَ، مِمَّا لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ قَبْلَهُمْ قَالَهُ وَلَا فَهِمَهُ مِنَ الْقُرْآنِ .

''رسول اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان آیات سے یہاں مراد صحیح معنی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے تھے، وہ ان آیات سے اللہ کی عظمت وجلال، اپنے بندوں پر اطلاع، ان کے احاطہ، اپنے عبادت گزاروں سے قرب اوران کی دعاؤں کی قبولیت کی معرفت حاصل کرتے تھے، پھر وہ اللہ کے ڈر، تعظیم، ہیبت، خیال اور حیا میں بڑھ جاتے تھے اوراس کی عبادت ایسے کرتے تھے، جیسے اسے دیکھ رہے ہوں۔ پھران کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کا تقویٰ کم ہو گیا اور قصد وفہم برا ہو گیا اوران کے سینے میں اللہ کی ہیبت اور عظمت مانند پڑ گئی، انہوں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو اپنی منفرد دقت فہم اور قوت استدلال دکھائیں، تو یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ ہے، جیسا کہ جہمیہ، معتزلہ اوران کے ہم نواؤں سے بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ ان کی باتوں سے منزہ ومبرا ہیں۔ یہ بات ان سے پہلے صحابہ کو سمجھ نہیں آئی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن میں سے متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیں اور ان میں تاویلات تلاش کریں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔''

(فتح الباري لابن رجب : 331/2)

(سوال): درج ذیل حدیث کا معنی کیا ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا پڑھا کرتے تھے:

...... أَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ ....

(صحيح مسلم : 2713)

(جواب): اس حدیث کا معنی یہ ہے:

''(اے اللہ!) تو بلند ہے، تجھ سے کوئی چیز بلند نہیں، تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔''

❀ امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

مِمَّا يَحْتَجُّ بِهِ الْحَلُولِيَّةُ مِمَّا يُلَبِّسُونَ بِهِ عَلٰى مَنْ لَّا عِلْمَ مَعَهٗ، يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحديد : ٣)، وَقَدْ فَسَّرَ أَهْلُ الْعِلْمِ هٰذِهِ الْآيَةَ : هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ حَيَاةٍ وَّمَوْتٍ، وَّالْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بَعْدَ الْخَلْقِ، وَهُوَ الظَّاهِرُ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ، يَعْنِي مَا فِي السَّمَاوَاتِ، وَهُوَ الْبَاطِنُ دُونَ كُلِّ شَيْءٍ يَّعْلَمُ مَا تَحْتَ الْأَرَضِينَ، وَدَلَّ عَلٰى هٰذَا آخِرُ الْآيَةِ : ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد : ٣).

''حلولیہ کی ایک دلیل، جس سے جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ آیت کریمہ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحديد : ٣) ''وہ

اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے اور باطن ہے۔'' حالانکہ اہل علم نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ کے اوّل ہونے سے مراد اس کا ہر چیز، یعنی زندگی اور موت سے پہلے ہونا ہے اور اس کے آخر ہونے سے مراد تمام مخلوقات کے ختم ہونے کے بعد باقی رہنا ہے۔ اس کے ظاہر ہونے سے مراد آسمانوں کی ہر مخلوق سے اوپر اور بلند ہونا ہے اور اس کے باطن ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ زمینوں کے نیچے موجود چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس کی دلیل اسی آیت کا آخری ٹکڑا ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد : ٣)

''وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

(كتاب الشّريعة : 1100/3)

سوال: حدیث مسلم (۲۷۳۲) میں سیدہ اُم درداء رضی اللہ عنہا کے قول: حَدَّثَنِي سَيِّدِي سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد سیدہ اُم درداء رضی اللہ عنہا کے خاوند سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ ہیں۔ ''سید'' کا لفظ شوہر کے لیے بھی مستعمل ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾ (يوسف : ٢٥)

''ان دونوں نے عورت کے شوہر کو دروازے پر پایا۔''

سوال: کیا عدت طلاق میں عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

جواب: عدت طلاق میں عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، البتہ شدید ضرورت کی صورت میں گنجائش ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾(الطّلاق:۱)

''(اے شوہرو!) تم انہیں (بیویوں کو) اُن کے گھر سے مت نکالو، نہ (عدت کے دوران) وہ خود گھر سے نکلیں۔''

❁ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

الْمَبْتُوتَةُ لَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا، حَتّٰى تَحِلَّ، وَلَيْسَتْ لَهَا نَفَقَةٌ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا، فَيُنْفَقُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا.

''طلاقِ بتہ والی عورت عدت ختم ہونے تک گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔ اس کے لیے نفقہ بھی نہیں ہوگا، ہاں حاملہ ہو، تو وضعِ حمل تک خرچہ شوہر کے ذمہ ہے۔''

(مؤطأ الإمام مالك: 837/4، وسندهٗ صحيحٌ)

سخت ضرورت یا عذر ہو، تو مطلقہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے، رجعی اور بائن طلاق دونوں میں یہی حکم ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا، فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بَلٰى فَجُدِّي نَخْلَكِ، فَإِنَّكِ عَسٰى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا.

''میری خالہ کو طلاق ہوئی، انہوں نے (دوران عدت) اپنے باغ کی کھجوریں اُتارنے کا ارادہ کیا، تو ایک شخص نے انہیں باہر نکلنے سے سختی سے منع کیا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، (باہر نکلنے کی اجازت مانگی)، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: کیوں نہیں، آپ اپنے باغ کا پھل اتاریں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ صدقہ کریں یا کوئی نیکی کا کام کریں۔'' (صحیح مسلم:1483)

سوال: کیا گائے کے دودھ میں شفا ہے؟

جواب: گائے کے دودھ میں شفا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ إِلَّا وَقَدْ أَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً وَفِي أَلْبَانِ الْبَقَرِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ.

''اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری، جس کی شفا نازل نہ کی ہو۔ گائے کے دودھ میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔''

(المستدرك للحاكم: 194/4، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❁ مسند بزار (۳۰۰) اور السنن الکبری للنسائی (۷۵۶۸) کے الفاظ ہیں:

فِي أَلْبَانِ الْبَقَرِ شِفَاءٌ.

''گائیوں کے دودھ میں شفا ہے۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ فَإِنَّهَا تَرِمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ، وَهُوَ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ.

''گائے کا دودھ ضرور پیا کریں، کیونکہ وہ ہر درخت چرتی ہے۔ اس کے دودھ

میں ہر بیماری کی شفا ہے۔''

(المستدرك للحاكم : 403/4، وسندهٗ صحيحٌ)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ہم دوائی استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَعَمْ، تَدَاوُوا، بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهٗ دَوَاءً، عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تَرِمُّ مِنَ الشَّجَرِ .

''جی ہاں، دوائی استعمال کیا کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری، جس کی شفا نازل نہ کی ہو۔ آپ گائیوں کا دودھ ضرور استعمال کیا کریں، کیونکہ وہ (تمام) درختوں سے چرتی ہیں۔''

(الجَعديات لأبي القاسم البغوي : 2164، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: کیا کتا نجس العین ہے؟

جواب: کتا نجس العین ہے۔

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا .

''جب کتا کسی کے برتن سے پی جائے، تو اس برتن کو سات دفعہ دھوئیں۔''

(صحيح البخاري : 172، صحيح مسلم : 279)

اس حدیث سے علما ثابت کرتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے، نجس العین کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

۞ امام قوام السنہ، اصبہانی رحمہ اللہ (۵۳۵ھ) فرماتے ہیں:

نَحْنُ نَقُولُ : حَيَوَانٌ يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِهِ فَوَجَبَ أَنْ يَّكُونَ نَجِسَ الْعَيْنِ قِيَاسًا عَلَى الْخِنْزِيرِ .

''ہم کہتے ہیں: جس حیوان کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونا واجب ہو، ضروری ہے کہ خنزیر کی طرح وہ بھی نجس العین ہو۔''

(شرح صحيح البخاري : 99/4)

۞ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَصِحُّ بَيْعُ الْكَلْبِ، مُعَلَّمًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مُعَلَّمٍ؛ لِأَنَّهٗ نَجَسٌ، وَالنَّجَسُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهٗ .

''یہ اس بات پر دلیل ہے کہ کتے کی بیع درست نہیں، چاہے وہ سکھایا ہوا کتا ہو یا سکھایا ہوا نہ ہو، کیوں کہ کتا نجس ہے اور نجس چیز کی بیع جائز نہیں۔''

(الإيجاز في شرح سنن أبي داود، ص 319)

سوال: کیا لڑکی منگنی کے لیے زیب وزینت اختیار کر سکتی ہے؟

جواب: جس لڑکی سے منگنی کا ارادہ ہو، اسے دیکھا جا سکتا ہے، نیز لڑکی بھی زیب وزینت اختیار کر سکتی ہے۔

۞ سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ .

''آپ رضی اللہ عنہا نے منگنی کے لیے آنے والوں کے لیے زیب وزینت اختیار کی۔''

(صحيح البخاري : 3991)